میرزا ادیب

سالِ ولادت: ۱۹۱۴ء　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　سالِ وفات: ۱۹۹۹

میرزا ادیب کا اصلی نام دلاور علی اور قلمی نام میرزا ادیب ہے۔ ۱۹۳۱ء میں اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ سے میٹرک کرنے کے بعد انھوں نے ۱۹۳۵ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے آنرز کیا۔ ۱۹۴۰ء میں ان کی شادی ہوئی۔ بچپن ہی سے ان کا لگاؤ شعروادب سے تھا۔ یوں سکول کے زمانہ ہی سے ان میں ادبی رجحان فروغ پا رہا تھا۔

میرزا ادیب کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۳۶ء سے ہوا۔ اس زمانے میں اسلامیہ کالج لاہور میں بہت سی علمی و ادبی شخصیتیں موجود تھیں جنھوں نے میرزا کے ادبی ذوق کو پروان چڑھانے میں معاونت کی۔ میرزا نے ابتدا میں شعروشاعری کی طرف توجہ دی مگر جلد ہی اسے ترک کر کے افسانہ اور ڈراما نگاری کی طرف توجہ دی اور اس میں نام پیدا کیا۔

اس زمانے میں رومانوی تحریک عروج پر تھی۔ اس لیے میرزا ادیب نے بھی اسی تحریک کو اپنایا۔ انھوں نے ۱۹۳۵ء میں رسالہ ''ادب لطیف'' کی ادارت سنبھالی اور طویل عرصہ تک اس سے وابستہ رہے۔ پھر ریڈیو پاکستان میں ملازم ہو گئے۔ اسی دوران میں افسانہ نگاری اور ڈراما نگاری کی طرف بھرپور توجہ دیتے رہے۔

میرزا ادیب یک بابی اور ریڈیائی ڈرامہ نگاری میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ تقسیمِ ہند کے بعد اُردو ادب میں ایک ایکٹ کے ڈرامے کو جو فروغ ملا اس میں میرزا ادیب نے اہم کردار ادا کیا۔ وہ معاشرے کے نبض شناس تھے۔ اس لیے ان کے ڈراموں کے موضوعات عام اور روزمرہ زندگی سے متعلق ہیں۔ اپنے معاشرے کی انسانی خواہشات اور توقعات کو میرزا ادیب نے خاص اہمیت دی ہے۔

میرزا ادیب نے کردار نگاری کے سلسلے میں بھی گہرے مشاہدے، انمول بصیرت اور فنکارانہ گرفت سے کام لیا ہے، اس لیے انھوں نے زندگی کے عام کرداروں کو ڈرامائی کرداروں کا درجہ دیا ہے۔ ان کے مکالمے نہایت برجستہ، مختصر اور برمحل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ڈراموں میں قاری یا ناظر کی دلچسپی شروع سے آخر تک قائم رہتی ہے جو کسی کامیاب ڈراما نگار کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ ان کے ڈراموں کے اہم مجموعوں کے نام یہ ہیں۔ ''آنسو اور ستارے''، ''لہو اور قالین''، ''ستون''، ''فصیلِ شب''، ''خاک نشیں''، ''پسِ پردہ'' اور ''شیشے کی دیوار''۔ ان کے علاوہ ''صحرانورد کے خطوط''، ''صحرانورد کے رومان'' اور ''مٹی کا دیا'' (آپ بیتی) ان کی زندہ رہنے والی کتابیں ہیں۔

میرزا ادیب

فاصلے

کردار

جمیلہ، ارشار، منور بیگم، نعیم۔

(جمیلہ اور ارشاد مصروفِ گفتگو ہیں۔ جمیلہ ارشاد سے تین چار سال بڑی ہے)

جمیلہ: ارشاد! بھئی ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کل آئی تھی تو تم بے حد خوش تھیں مگر آج اس قدر افسردہ ہو کہ طبیعت پریشان ہوگئی ہے۔ معاملہ کیا ہے آخر!

ارشاد: معاملہ کیا بتاؤں جمیلہ باجی!

جمیلہ: کیوں؟ بتاؤ گی نہیں۔ ایک تو وہ حال کہ فرخندہ کے جہیز کا ذکر کرتے ہوئے تھکتی ہی نہیں تھیں اور آج صورت یہ ہے کہ بچی کے بیاہ کی بات کرتی ہوں تو خاموش ہو جاتی ہو۔

ارشاد: پھر کروں کیا باجی!

جمیلہ: اُلجھن کیا ہے آخر!

ارشاد: اُلجھن سی اُلجھن ہے باجی!

جمیلہ: بتانے میں کیا حرج ہے؟

ارشاد: حرج کیا ہوگا باجی! منور نے جو حرکت کی ہے میں اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی تھی۔

جمیلہ: منور بیگم؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟

ارشاد: سچ کہتی ہوں باجی! منور نے جو کچھ کیا ہے اس کی توقع شاید ایک دشمن سے بھی نہیں کی جا سکتی۔ میں نے یہ سوچ کر اس کے بیٹے سے اپنی فرخندہ کی منگنی کی تھی کہ میری بچپن کی سہیلی ہے میرا پورا ساتھ دے گی لیکن ہُوا اس کے بالکل برعکس ہے۔

جمیلہ: کیا نعیم نے کچھ گڑبڑ کی ہے؟

ارشاد: نعیم کیا گڑبڑ کرے گا۔ بڑا اچھا لڑکا ہے۔

جمیلہ: اس کے ابا جان کو اس رشتے پر کچھ اعتراض ہے؟

ارشاد: بالکل نہیں؟

جمیلہ: تو پھر میں نہیں سمجھتی کہ تمھیں شکایت کس سے ہو سکتی ہے؟

ارشاد: باجی! میں نے کہا نہیں ہے کہ منور نے جو کچھ کیا ہے اس کی توقع کسی دشمن سے بھی نہیں ہو سکتی تھی؟

جمیلہ: ذرا تحمل سے بات کرو۔ میرا تو خیال ہے کہ فرخندہ کو وہ بہت پسند کرتی ہے۔ کئی بار میں نے اسے تمھاری بچی کو پیار کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ارشاد: پیار ہوتا تو ہم پر ظلم نہ کرتی۔

جمیلہ: کیا انکار کر دیا ہے؟

ارشاد: جو کچھ کہا ہے وہ انکار سے بھی بدتر ہے۔
جمیلہ: انکار سے بھی بدتر!
ارشاد: ہاں باجی! یاد ہے باجی! اس رشتے پر گفتگو سب سے پہلے تم ہی نے کی تھی۔
جمیلہ: یقیناً میں نے کی تھی اور منور نے ایسی خوشی کا اظہار کیا تھا جیسے وہ ایک مدت سے ہی اس بات کا انتظار کر رہی تھی۔
ارشاد: کہ مجھے ذلیل کرے۔ اس کے پیش نظر اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ باجی! تم جانتی ہو کہ ہم دونوں میں یہ بات بھی ہو چکی ہے کہ آنے والے دسمبر کے آخری دنوں میں شادی ہو گی۔ جہیز قریب قریب مکمل کر لیا ہے۔ سب کو اس کی اطلاع مل چکی ہے۔ اب محترمہ نے بیٹھے بیٹھے یہ مطالبہ کر دیا ہے کہ فرخندہ کے جہیز میں ایک کوٹھی بھی شامل ہو۔
جمیلہ: کیا؟
ارشاد: لو پڑھو۔ کل شام کے وقت یہ رقعہ ملا تھا۔
جمیلہ: (پڑھتے ہوئے) پیاری بہن جمیلہ خاتون! میری یہ خواہش نہیں شدید مطالبہ بھی ہے کہ فرخندہ کے جہیز میں ایک کوٹھی بھی شامل کرو۔ میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ اس کے بغیر جو جہیز بنے گا وہ ہمیں منظور نہیں ہو گا۔
ارشاد: دیکھا باجی! اس قسم کا مطالبہ اور پھر اس صورت میں سوائے دشمن کے اور کون کر سکتا ہے۔
جمیلہ: میں تو سمجھتی ہوں کہ کوئی شخص ہوش و خرد کے عالم میں یہ نہیں کر سکتا۔ یہ منور نے رقعہ لکھا ہے؟
ارشاد: اور کس نے لکھا ہے! تمھیں شک ہے!
جمیلہ: دکھاؤ نا کاغذ۔ نیچے نام کیا لکھا ہے.......... یہ منور کہاں ہے۔ کوئی اور نام ہے۔
ارشاد: ''منجو'' ہے۔
جمیلہ: ''منجو''.......... یہ کون ہے؟
ارشاد: ہم لوگ اسے منور نہیں منجو کہا کرتے تھے۔
جمیلہ: گویا رقعہ اس نے لکھا ہے۔
ارشاد: اور کس نے لکھا ہے باجی! ایسے لفظ لکھتے ہوئے اُسے کچھ شرم بھی نہیں آئی۔ لے دے کے دو کوٹھیاں ہیں ہمارے پاس۔ ایک میں رہتے ہیں اور دوسری سے جو کرایہ ملتا ہے اس سے گزر اوقات کرتے ہیں۔ فرخندہ کے ابا کی جتنی تنخواہ ہے وہ تم جانتی ہو۔ اس تنخواہ سے گھر کے اخراجات کس طرح پورے ہو سکتے ہیں اور پھر یہ بھی دیکھو، میں صرف فرخندہ کی ماں نہیں ہوں گھر میں بیاہنے لائق دو اور بھی بیٹیاں ہیں۔ اس بیٹی کے جہیز میں کوٹھی دے دیں تو باقی دو بیٹیوں کو کیا دیں گے۔ یہ اپنے بیٹے کے لیے کوٹھی کا مطالبہ کر رہی ہے تو وہ ماں باپ کوٹھیاں کیوں نہیں مانگیں، جن کے گھروں میں ہماری دوسری دو بیٹیاں جانے والی ہیں۔
جمیلہ: ٹھیک کہہ رہی ہو!
ارشاد: ابھی میں نے فرخندہ کے ابا سے اس رقعے کا ذکر کیا نہیں، کیا کہوں اُن سے! کیا کہیں گے وہ۔ یہ تمھاری پُرانی سہیلی ہے۔ بڑا ناز کرتی تھیں اس پر۔ بہت خوش ہو رہی تھیں یہ رشتہ کر کے۔ اب بتاؤ کیا کہتی ہو تم، باجی! وہ کیا کچھ نہیں کہیں گے؟ کیا کچھ نہیں سوچیں گے؟ اگر ایسا مطالبہ کرنا تھا تو شروع ہی میں انکار کر دیتی۔ مجھے زیادہ شکایت نہ ہوتی بلکہ کوئی شکایت نہ ہوتی لیکن اس وقت کہ سب عزیزوں، رشتہ داروں کو علم ہو چکا ہے کہ میری فرخندہ منور کے گھر جا رہی ہے۔ چند ماہ بعد شادی ہو رہی ہے اس کا یہ مطالبہ کسی طرح

بھی جائز ہے؟

جمیلہ: بالکل ناجائز ہے!

ارشاد: (آواز میں جذبات کی شدت سے لرزش) میں کیا مُنہ دکھاؤں گی لوگوں کو۔ رشتے دار کیسے کیسے طعنے دیں گے۔ میری بچی کے دل پر کیا گزرے گی۔ باجی! یہ کس کارن ہمارے در پے آزار ہوگئی ہے۔

جمیلہ: صریحاً زیادتی کر رہی ہے۔

ارشاد: زیادتی سی زیادتی باجی۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہوگا کیا!

جمیلہ: ارشاد۔

ارشاد: کہو باجی۔

جمیلہ: اس قدر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

ارشاد: کیا ابھی کوئی امید کی صورت باقی ہے؟

جمیلہ: کیوں نہیں؟ میں اس کے پاس جارہی ہوں۔ اسے بتاؤں گی۔ امید ہے معقولیت کی راہ اختیار کرے گی۔

ارشاد: اگر نہ کی تو............

جمیلہ: کیوں نہ کرے گی...... مجھے یقین ہے کہ اس نے یہ مطالبہ کسی غلط فہمی کی بنا پر کیا ہے۔

ارشاد: غلط فہمی کیسی؟

جمیلہ: میرا مطلب ہے۔ کسی لگائی بجھائی کرنے والی عورت کے بھرّے میں آکر۔ جانتی ہو دنیا میں ایک دوست اور دس دشمن ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ کسی کو خوش دیکھ ہی نہیں سکتے۔ تم نے اس رقعے کا کوئی جواب تو نہیں دیا۔

ارشاد: جواب کیا دے سکتی تھی۔

جمیلہ: بس ٹھیک ہے۔ گفتگو کرتی ہوں ابھی جا کر۔ جب تک لوٹوں کسی سے کچھ کہنا سننا نہیں ہے اور نہ افسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ پتا نہیں کیا صورتِ حال ہے اور کیوں ہے؟ سمجھ لیا نا۔

ارشاد: ہاں۔

جمیلہ: ذرا کریم سے کہنا ٹیکسی لے آئے۔

(منظر کی تبدیلی کے لیے موسیقی)

جمیلہ: منورا جب میں نے وہ رقعہ پڑھا تو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ اس کے لکھنے والی تم ہو۔ یہ تمھیں بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا ہے منورا حد کر دی ہے۔ سراسر زیادتی کر رہی ہو۔

منور: نہیں آپا۔

جمیلہ: زیادتی نہیں کر رہی تو اور کیا کر رہی ہو۔

منور: یہ تو میں نہیں کہہ سکتی کہ کیا کر رہی ہوں مگر زیادتی نہیں کر رہی۔

جمیلہ: کمال کر رہی ہو۔ اتنی زیادتی کے بعد بھی کہہ رہی ہو کہ زیادتی نہیں کر رہی۔ تمھیں خبر نہیں ہے کہ ایک کوٹھی کے کرائے سے اُن کے گھر کا خرچ چلتا ہے۔

منور: ماں باپ اولاد کی خوشی کے لیے قربانی نہیں دیتے!

جمیلہ: اچھا فرض کرلیا جائے کہ وہ اپنی بیٹی کو کوٹھی دے دیں تو باقی دو بیٹیوں کو کیا ملے گا؟

منور: میرا اس مسئلے سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ اس کی اور اس کے شوہر کی دردسری ہے میری نہیں۔

جمیلہ: اور تم یہ چاہتی ہو کہ تمھارے بیٹے کو ضرور کوٹھی دے دی جائے۔

منور: کوٹھی اس کی بیٹی کی ہوگی میری نہیں۔

جمیلہ: منور معاف کرنا شاید یہ الفاظ تمھیں تلخ لگیں گے مگر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ تمھاری اپنی کوئی بیٹی نہیں ہے اس لیے اس طرح سوچ رہی ہو۔ تمھارے گھر میں بھی بیٹی ہوتی پھر میں دیکھتی کہ کس طرح اپنے بیٹے کے لیے یہ مطالبہ کرتیں۔ بیٹی نہیں ہوئی۔ اس لیے ان فکروں اور اندیشوں سے آزاد ہو جن میں بیٹیوں والے رات دن گرفتار رہتے ہیں۔ بیٹی کا بوجھ سر پر ہو تو ماں بہت آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی ہے کیوں کہ اس کے راستے میں کانٹے بچھے ہوتے ہیں۔ اگر تمھارا اپنا راستہ ہموار ہے تو اس ماں کا بھی خیال کرو جس کے سامنے چاروں طرف بلند پہاڑ کھڑے ہیں۔ اس کا کیا حال ہے۔ اُس کا کیا حال ہونے والا ہے۔ یہ بھی سوچ لو۔

منور: مجھے کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جمیلہ: اتنی کٹھور ہو چکی ہو۔

منور: جو دل میں آئے کہہ دو۔ میں بُرا نہیں مانتی۔

جمیلہ: منور!

منور: آپا! اس وقت تم کہہ رہی ہو کہ میں زیادتی کر رہی ہوں۔

جمیلہ: بالکل زیادتی کر رہی ہو۔

منور: اور یہ اس لیے کہ کبھی مجھ پر بھی زیادتی ہوئی تھی۔

جمیلہ: کیا؟

منور: ایک منٹ ٹھہرو آپا! (ذرا سا وقفہ) یہ پڑھو۔ آہستہ سے ہاتھ میں لو۔ پُرانا کاغذ ہے۔

جمیلہ: یہ کیا ہے۔ (پڑھتے ہوئے) ''ماں باپ اولاد کی خوشی کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے۔ آپ اپنی بیٹی کو ایک کار دے دیں گے تو کیا قیامت آجائے گی۔'' یہ ہے کیا؟

منور: یہ رقعہ ارشاد کی ماں نے میری مرحوم ماں کے نام لکھا تھا۔

جمیلہ: کیوں؟

منور: میری منگنی ارشاد کے بھائی سے ہو چکی تھی۔ بیاہ کی تیاریاں بڑے زور شور سے ہو رہی تھیں کہ یہ رقعہ آ گیا۔

جمیلہ: اس میں ارشاد کا کیا قصور؟

منور: یہ رقعہ ارشاد ہی نے انتہائی اصرار کر کے اپنی ماں سے لکھوایا تھا کیوں کہ ان دنوں ایک دولت مند لڑکی اس کی نئی سہیلی بنی تھی اور اس دولت مند سہیلی کی چھوٹی بہن کنواری تھی۔ ارشاد چاہتی تھی کہ اس کے بھائی کی شادی وہیں ہو۔

جمیلہ: ہیں!

منور: آپا! جب یہ رقعہ ابا اور امی نے پڑھا تو ان کی جو حالت ہوئی بیان نہیں کر سکتی۔ اب بھی ان کے انتہائی افسردہ، پژمردہ، دُکھی، غم دیدہ

چہرے یوں آنکھوں کے سامنے آتے ہیں تو میں کانپ اُٹھتی ہوں۔ ان دنوں ہمارے گھر کی حالت بہت خراب تھی۔ بڑی مشکل سے گزارا ہوتا تھا۔ پندرہ بیس ہزار کی کار کہاں سے آتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ رشتہ ٹوٹ گیا اور یہی بات تو ارشاد چاہتی تھی۔ آپا تم کہتی ہو میں ارشاد پر زیادتی کر رہی ہوں۔ سوچو اس وقت اسے خیال نہ آیا ''منجو'' جس پر ظلم کر رہی ہے اس کی بچپن کی سہیلی ہے۔ اس کے ساتھ سکول میں پڑھ چکی ہے۔ جس کے دُکھ کو وہ اپنا دُکھ درد جس کی خوشی کو وہ اپنی خوشی سمجھتی رہی ہے۔ اسے خیال نہ آیا کہ بیچاری منجو کا کیا حال ہوگا۔ اس کے غریب ماں باپ کا کیا حال ہوگا۔ اس نے یہ نہ سوچا کہ زندگی کا راستہ ہمیشہ ہموار نہیں رہتا۔ اس میں اچانک بڑے گہرے کھڈ آ جاتے ہیں۔ اس راہ پر پھول ہی نہیں اُگتے۔ کانٹے بھی نکل آتے ہیں۔ آپا! میں کچھ نہیں کر رہی۔ جو کچھ کر رہی ہے منجو کر رہی ہے۔ وہ منجو جسے آج سے تیرہ چودہ برس پہلے اُس نے ٹھکرا دیا تھا۔ جو رات رات بھر روتی رہی تھی۔ جس نے اپنی بدنصیب ماں کو اپنے فکر مند باپ کو آہیں بھرتے دیکھا تھا۔ وہ منجو میرا تعاقب کرتی رہی ہے۔ اور اسی نے مجھے ایک طرف ہٹا کر یہ رقعہ لکھا ہے۔

(منور درد جذبات میں دو تین لمحوں کے لیے خاموش ہو جاتی ہے)

جمیلہ: منور بہن! مجھے اس واقعے کا کوئی علم نہیں تھا۔

منور: وہ کیوں بتاتی تمھیں!

جمیلہ: حیرت ہے اپنی بیٹی کی منگنی تمھارے بیٹے سے کرتے ہوئے وہ بھول گئی کہ وہ تم پر یہ ظلم کر چکی ہے۔

منور: میں یہ بھی بھول جانا چاہتی تھی اور بھُول گئی تھی۔ اللہ نے مجھے سب کچھ دے دیا ہے۔ ایک نیک طینت شوہر جو میری ہر بات مان لیتا ہے۔ ایک اطاعت شعار بیٹا جسے دیکھتی ہوں تو اپنی آغوشِ تربیت پر فخر ہوتا ہے لیکن جب تنہا ہوتی ہوں تو ''منجو'' نہ جانے کہاں سے نکل کر چپ چاپ سامنے آ جاتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ سر جھکا ہوا ہے۔ سر سے پاؤں تک وہ مجھے مظلومیت کی تصویر نظر آتی ہے .... اور ....

جمیلہ: اسے معلوم ہونا چاہیے:۔ مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا منور .... اور کچھ نہیں کہنا۔

(ذرا سا وقفہ)

منور: (ذرا بلند آواز سے) نعیم بیٹا!

نعیم: جی امی جان!

منور: کیا ابھی ابھی باہر سے آ رہے ہو۔

نعیم: جی ہاں، فرمائیے۔

منور: نعیم بیٹا! میں آج کچھ کہنا چاہتی ہوں تم سے۔

نعیم: امی! آپ یہ الفاظ کہ کر مجھے شرمسار کر رہی ہیں۔ آپ مجھے حکم دیں آپ کے کسی حکم پر میں چون و چرا نہیں کر سکتا۔

منور: مجھے اپنے اطاعت شعار بیٹے سے یہی توقع ہے۔ بیٹا! قصہ یہ ہے کہ تمھاری منگنی ٹوٹ گئی ہے۔

نعیم: ٹوٹ گئی ہے۔

منور: میں نے توڑ دی ہے۔

نعیم: اچھا امی جان۔

منور: نہیں .... کچھ .... میرا مطلب ہے ....

نعیم: امی جان! آپ جو کچھ کریں گی اس پر میں کبھی اعتراض کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ صرف ایک دو باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔

منور: کہو!

نعیم: یہ رشتہ اس لیے ختم کر دیا گیا ہے کہ جن لوگوں کو آپ میری سسرال بنانا چاہتی تھیں وہ کوٹھی کا مطالبہ پورا نہ کر سکے۔

منور: ہاں

نعیم: اور یہ بھی کہ آپ نے ان سے کوٹھی کا مطالبہ اس لیے کیا ہے کہ انھوں نے میرے نانا نانی سے کار کا مطالبہ کیا تھا۔

منور: یہ باتیں تمھیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟

نعیم: امی! میں ابھی ابھی خالہ جان کے گھر سے آیا ہوں۔ اُنھوں نے ذکر کیا تھا مگر مجھے ان سے کیا امی! میرا فرض تو آپ کا حکم ماننا ہی ہے۔ میں آپ کے ہر حکم کو اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں۔

منور: اللہ کرے تمھیں زندگی کی ساری خوشیاں حاصل رہیں۔ ہمیشہ سکھی رہو۔ جا رہے ہو نعیم! جاؤ۔

(ذرا سا وقفہ)

منور: کیوں نعیم! لوٹ آئے کیا بات ہے؟

نعیم: امی! آئندہ آپ میرے رشتے کی بات چیت کبھی نہ کریں۔

منور: وہ کیوں؟

نعیم: میں شادی نہیں کراؤں گا۔

منور: شادی نہیں کراؤ گے؟

نعیم: جی امی جان! اس کی وجہ یہ ہے! میں ایک لڑکی کو کسی گناہ، جُرم اور قصور کے بغیر سزا دینے کے بعد مناسب نہیں سمجھتا کہ کسی اور گھر کے دروازے پر دستک دی جائے۔ اگر بے گناہوں کو ذاتی انتقام کی آگ میں جھونک دینے کا سلسلہ چل نکلا تو ہر طرف شعلے ہی شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ کرے کوئی اور بھرے کوئی کی روایت نہ جانے کتنے گھروں کا سکون لوٹ لے گی۔ کتنے گھر تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ امی جان! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ شاید گستاخی ہے لیکن آپ نے ہی تو مجھے سبق دیا ہے کہ بیٹا! ہمیشہ سچ بولو میں آپ کی نصیحت پر عمل کر رہا ہوں۔ اچھا امی جان!

(وقفہ)

ارشاد: کون ہے؟

منور: دروازہ کھولو۔

ارشاد: منور!............تم۔ میرے گھر پر!

منور: ہاں تمھارے گھر پر۔

ارشاد: باجی جمیلہ نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے......اور میں سمجھ چکی تھی کہ اب ہم دونوں گھروں میں ہزاروں لاکھوں میلوں کی دُوری آ چکی ہے۔

منور: یہ دُوری منجو نے پیدا کی تھی۔

ارشاد: تو اب۔

منور: وہ اپنی ساری دُوریاں، سارے فاصلے، ساری کدورتیں لے کر چلی گئی ہے۔ اب نہیں آئے گی۔

ارشاد: مگر مجھے کچھ دے گئی ہے۔

منور: کیا؟

ارشاد: ندامت کے آنسو جو میری آنکھوں سے بہ رہے ہیں۔

منور: ارشاد بہن! ان آنسوؤں کو پونچھ ڈالو۔

ارشاد: نہیں تم یہ افسوس قبول کرو۔

منور: میں کیا قبول کروں۔ میری تو اپنی آنکھوں میں شرمندگی کے آنسو چھلک رہے ہیں۔

ارشاد: اچھا ہوا یہ آنسو بہ گئے۔ ان کے ساتھ نفرت، انتقام، خودغرضی کی کثافت بھی بہ گئی ہے۔

منور: ارشاد بہن!

ارشاد: منور بہن!

(اختتام)

(''تحریریں'' لاہور ____ اکتوبر، نومبر ۱۹۷۱ء)

مشق

1- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

i- ارشاد پریشان کیوں تھی؟

ii- منور نے کیا کیا تھا جس کی توقع دشمن سے بھی نہیں ہوسکتی؟

iii- منور نے رقعے میں کیا لکھا تھا؟

iv- منور اپنی زیادتی کو زیادتی کیوں نہیں سمجھ رہی تھی؟

v- جمیلہ کو کس واقعہ کا علم نہیں تھا؟

2- درست جوابات کے گرد دائرہ لگائیں:

i- ''فاصلے'' کا مصنف کون ہے؟

ا۔ امتیاز علی تاج ب۔ میرزا ادیب ج۔ آغا حشر د۔ حکیم احمد شجاع

ii- میرزا ادیب کی وجہِ شہرت زیادہ تر کیا ہے؟

ا۔ مضمون نگاری ب۔ افسانہ نگاری ج۔ تنقید نگاری د۔ ڈراما نگاری

iii- میرزا ادیب کا تعلق کس شہر سے تھا؟

ا۔ سیالکوٹ سے ب۔ لاہور سے ج۔ گوجرانوالا سے د۔ راولپنڈی سے

3- ڈراما ''فاصلے'' کا مرکزی خیال لکھیں۔
4- ڈراما ''فاصلے'' کا خلاصہ لکھیں۔
5- میرزا ادیب پر مختصر سوانحی و تنقیدی نوٹ لکھیں۔
6- ''میرزا ادیب اپنے ڈراموں میں عام زندگی کے کرداروں کی باہمی کشمکش کو موضوع بناتے ہیں''۔ ڈراما ''فاصلے'' کے ایک اہم کردار پر مختصر نوٹ لکھیں۔
7- سبق کے حوالے سے مندرجہ ذیل جملوں کی وضاحت کریں:
   i- منور نے جو کچھ کیا ہے اس کی توقع شاید ایک دشمن سے بھی نہیں کی جا سکتی۔
   ii- میں تو سمجھتی ہوں کہ کوئی شخص ہوش و خرد کے عالم میں یہ نہیں کر سکتا۔
   iii- اگر تمھارا اپنا راستہ ہموار ہے تو اس ماں کا بھی خیال کرو جس کے سامنے چاروں طرف بلند پہاڑ کھڑے ہیں۔
   iv- کرے کوئی اور بھرے کوئی کی روایت نہ جانے کتنے گھروں کا سکون لوٹ لے گی۔
   v- اچھا ہوا یہ آنسو بہ گئے، ان کے ساتھ نفرت، انتقام، خود غرضی کی کثافت بھی بہ گئی ہے۔

☆☆......☆☆......☆☆